ابراہیمی قربانیوں کی اہمیت اور جماعت کی للّٰہی قربانیاں

(خطبہ عید الاضحیہ فرمودہ ۱۶ر اگست ۱۹۸۶ء بمقام اسلام آباد، ٹلفورڈ، انگلستان)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٨﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا
فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٩﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلٰى رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿١٠٠﴾
رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿١٠١﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ﴿١٠٢﴾
فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي
أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز
سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ ﴿١٠٣﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ
لِلْجَبِينِ ج ﴿١٠٤﴾ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰإِبْرٰهِيمُ ﴿١٠٥﴾ لا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ج
إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٦﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ ﴿١٠٧﴾
وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٩﴾ صلے سَلٰمٌ
عَلٰٓى إِبْرٰهِيمَ ﴿١١٠﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١١١﴾ (الصّٰفّٰت: ۹۸-۱۱۱)

اور پھر فرمایا:

آج جو عید منانے کے لئے ہم اکٹھے ہوئے ہیں یہ عیدالاضحیہ یعنی قربانیوں کی عید کہلاتی ہے۔ ویسے تو جہاں تک مذہبی نقطہ نگاہ سے عید کے تصور کا تعلق ہے اس کے پس منظر میں لازماً کچھ قربانیاں ہونی چاہئیں کیونکہ قربانی کے بغیر مذہبی دنیا میں کسی عید کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا یہاں تک کہ بعض عیدیں خود قربانی کے نام سے موسوم ہیں۔

عید میں قربانی کا ایک ایسا جزو شامل ہوتا ہے جسے عید سے کسی صورت الگ نہیں کیا جاسکتا۔ سوختنی قربانیوں کی عید بھی ایک ایسی عید ہے جو یہود منایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا مذہبی دنیا میں جہاں بھی آپ عید کے تصور پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو قربانی کے ساتھ کسی نہ کسی رنگ میں اس کا تعلق دکھائی دے گا لیکن یہ عید جسے منانے کے لئے ہم اکٹھے ہوئے ہیں خصوصیت کے ساتھ قربانیوں کی عید کہلاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عید کے منانے میں اس میں یقیناً قربانی کا مضمون اپنے عروج کو پہنچا ہوگا۔ اس پہلو سے جب ہم اس عید پر غور کرتے ہیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس عید کا گہرا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں سے ہے اور حج کے مناسک جو حج کے موقع پر ادا کئے جاتے ہیں ان کا بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے گہرا تعلق ہے۔

اس بات کو معلوم کرنے کے بعد تعجب کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہے کہ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کو خدا نے کیوں اتنی غیر معمولی قبولیت عطا فرمائی اور ایسی عزت بخشی کہ دنیا میں نہ کسی فرد کی قربانی کو اور نہ کسی قوم کی قربانیوں کو ایسا اعزاز نصیب ہوا؟ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی میں وہ کیا بات تھی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا کہ میں اس قربانی کی یاد کو آخرین میں بھی زندہ رکھوں گا اور آخرین بھی تجھ پر سلام بھیجتے رہیں گے اور پھر اس قربانی کی یاد پر منحصر جو مناسک کا ایک نظام جاری فرمایا یعنی ان مناسک کا نظام جو حج کے موقع پر ادا ہوتے ہیں، ان کو بھی ایسی عظمت دی کہ تمام دنیا اور ہر زمانے تک ان کے اثر کو پھیلا دیا۔

دنیا میں بے شمار قومیں قربانیاں کرتی ہیں، کر رہی ہیں اور آئندہ بھی کرتی رہیں گی۔ بے شمار افراد ہیں جو قربانیاں کرتے ہیں بلکہ کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ ان کی یادیں بھی محدود ہوتی ہیں اور ان قربانیوں کے دن منانے کا طریق بھی محدود ہوتا ہے۔ دنیا کی کسی بھی قربانی کو ایسی عظمت نصیب نہیں ہوئی جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کو نصیب ہوئی جو اس عید

کے موقع پر ہمیں اپنی یاد دلاتی ہے۔ جب میں نے قربانی کی عظمت کے پہلوؤں پر غور کیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے بعض پہلوؤں کو آج آپ کے سامنے کھول کر بیان کروں۔

جب ہم قربانی کا تجزیہ کرتے ہیں تو بہت سے ایسے پہلو دکھائی دیتے ہیں جو قربانی کو عظمت بھی دے سکتے ہیں یا اس کو اس کے مقام سے گرا بھی سکتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قربانی ہے کیا چیز؟ کئی قسم کی قربانیاں ہمیں دکھائی دیتی ہیں بعض قربانیاں اصولوں کی خاطر کی جاتی ہیں اور سامنے کوئی ایسا وجود نہیں ہوتا جسے خوش کرنا منظور نظر ہو بلکہ بعض اصولوں کی خاطر انسان قربانی دیتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کا فوری ذاتی بدلہ اسے نصیب نہیں ہوگا۔ بعض قربانیاں مجبوراً کی جاتی ہیں۔ ان میں انسانی نفس کا اس حد تک دخل نہیں ہوتا کہ اسے قربانی کرنے کا شوق ہو وہ مجبور ہوتا ہے قربانی کرنے پر۔ اس کے باوجود وہ بالا رادہ قربانی کرتا ہے۔ اگر ارادہ شامل نہ ہو تو وہ قربانی رہتی ہی نہیں۔

جنگوں کے موقع پر بڑی بڑی قوموں نے بڑی عظیم قربانیاں دیں۔ ایسے مواقع بھی بہتوں کو میسر آتے رہے کہ اگر وہ چاہتے تو پیچھے ہٹ جاتے اور قربانی نہ دیتے۔ وہ قربانی کی تکلیف بھی محسوس کرتے تھے، جانتے تھے کہ کوئی چیز نہیں ہے جس کی رضا کی خاطر وہ قربانیاں کر رہے ہیں، کوئی وجود ایسا نہیں ہے جو اس قربانی پر پیار کی نظر ڈالے گا اس کے باوجود وہ قربانیاں کرتے چلے گئے۔ ان کی قربانیوں میں مجبوری کے ہوتے ہوئے بھی ارادہ شامل تھا، ایک اصول تھا جس کی خاطر قربانی دی اور حالات کی مجبوری تھی جس کی وجہ سے وہ قربانی دینے پر مجبور ہوئے۔

پھر قربانی دینے والے کی اپنی ذات کا بھی بہت حد تک قربانی کا معیار بنانے میں دخل ہوا کرتا ہے۔ بعض اوقات قربانی کرنے والا ایک گہرے جذبہ محبت سے قربانی کرتا ہے۔ اس کی قربانی بظاہر عام قربانیوں کی سی قربانی ہوتی ہے لیکن اس کے پیچھے کتنا عظیم جذبہ کارفرما ہوتا ہے جتنا زیادہ ذاتی لگاؤ اس کو ہوتا ہے اس کی قربانی میں اتنا پیار شامل ہو جاتا ہے۔ یہ جذبہ اور یہ ذاتی لگاؤ عام قربانی سے اس کی قربانی کو ممتاز کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ قربانی کرنے والے کا اپنا مقام بھی بعض دفعہ قربانی کو عظمت بخشتا ہے یا اسے چھوٹا کر کے دکھاتا ہے۔ عالمی جنگیں جو پیچھے گزری ہیں ان میں بھی اور ان سے پہلے بھی جو بڑی بڑی جنگیں گزری ہیں ان میں بھی بے شمار ایسے سپاہی تھے جنہوں نے قربانیاں دیں اور کسی پہلو سے بھی ان کی قربانیاں اپنی شدت میں، اپنی عظمت میں، اپنی گہرائی میں، اپنی

وسعت میں ان رہنماؤں کی قربانیوں سے کم نہ تھیں جو اس وقت کے سپہ سالار تھے یا اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے لیکن ان کی قربانیوں کو قوم نے وہ عظمت نہیں دی جو سرداروں کی قربانیوں کو دی گئی اور بڑے بڑے سپہ سالار یا بادشاہ یا بڑے بڑے جرنیل جو ان جنگوں میں شامل تھے ان کے نام پر آپ بڑی بڑی عمارتیں بھی دیکھیں گے ،ان کے Statue، بڑے بڑے عظیم الشان بت بنے ہوئے بھی دیکھیں گے مگر عام سپاہی جو جسمانی قربانی اور تکلیف کے لحاظ سے بسا اوقات ان سے بہت زیادہ تکلیف اٹھاتا رہا اور مقابل پر اس کو کوئی بھی سہولت مہیا نہیں تھی اس کا عمومی ذکر تو ملتا ہے لیکن اس کے نام پر آپ کو بڑے بڑے بت، بڑی بڑی عمارتیں دکھائی نہیں دیں گی۔

اگر آپ کبھی پیرس گئے ہوں تو آپ نے وہاں دیکھا ہوگا کہ شانزے لیزے میں ایک Arc De Triomphe کی آگ ہے جہاں ایک شعلہ جل رہا ہے جو چوبیس گھنٹے مسلسل چلتا رہتا ہے اور وہاں ایک پلیٹ لگی ہوئی ہے جو بتاتی ہے یہ گمنام سپاہیوں کی قربانیوں کی یاد میں ایک شعلہ جل رہا ہے۔ وہ گمنام سپاہی کون تھے؟ ان کی قربانیاں کیا تھیں؟ ان قربانیوں کے پیچھے جذبات کیا تھے؟ کیا انہوں نے شوق سے محبت میں قربانیاں دیں یا قوم کو گالیاں دیتے ہوئے مجبوری کی حالت میں قربانیاں دیں؟ کچھ پتہ نہیں، کسی چیز کی ہمیں کوئی خبر نہیں اور ان کی یاد صرف ایک گمنام شعلے نے زندہ رکھی ہوئی ہے اس کے بالمقابل نپولین کی یاد میں آپ کو وہاں بڑے بڑے مجسمے اور بڑی بڑی عمارتیں دکھائی دیں گی اور بھی اسی طرح قومی ہیرو ہیں جن کی قربانیوں کی یاد قوم زندہ رکھے ہوئے ہے۔ کس شخص نے قربانی دی؟ اس کی عظمت کیا تھی؟ اس کا مقام کیا تھا؟ اس کی شہرت کتنی تھی؟ ان سب باتوں کا بھی قربانی کے معیار بنانے میں دخل ہوتا ہے۔

پھر مقصد کیا تھا اس کو بھی دیکھا جاتا ہے؟ محض وہ قربانی اپنی ذات میں عظمت اختیار نہیں کرسکتی جب تک مقصد عظیم نہ ہو۔ چنانچہ جرمن قوم نے جو دوسری جنگ میں بے انتہا قربانیاں دی ہیں، کروڑوں جرمن سپاہی ہلاک ہوا ہے اور ساری قوم نے ایسی حیرت انگیز قربانیاں پیش کی ہیں کہ شاذ ہی کبھی انسانی تاریخ میں اس قدر قربانیوں کا اجتماع دکھائی دیتا ہو کہ ایک تھوڑے سے عرصہ میں اس شدت کی قربانیاں اکٹھی ہوگئی ہوں۔ شاذ کے طور پر رونما ہونے والا واقعہ ہے لیکن ان سب قربانیوں کو آج حقارت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔ وہ قربانیاں کرنے والے فخر سے سر اٹھا کر نہیں

پھرتے ،وہ قربانیاں پیش کرنے والے اس وقت کی یاد میں شرم سے سر جھکاتے ہیں اور آج نازی (Nazi) تصور ایک باعث عزت تصور نہیں بلکہ باعث ذلت تصور بن چکا ہے۔تو دیکھیں کروڑ ہا کروڑ انسانوں نے عظیم الشان قربانیاں دی ہیں اور ذاتی طور پر ان کا جذبہ،قربانی لازماً قابل قدر تھا لیکن مقصد کے گندا ہونے کی وجہ سے وہ ساری قربانیاں رائیگاں گئیں۔

پھر بعض دفعہ قربانیاں ایک فرد کی خاطر کی جاتی ہیں۔فرہاد نے شیریں کی خاطر قربانی دے دی یا کسی سپہ سالار نے اپنے وقت کے بادشاہ کی خاطر قربانی دے دی اور بعض دفعہ ایک لمبے عرصہ تک زندہ رہنے والی قوم کی خاطر قربانیاں دی جاتی ہیں۔ان باتوں سے بھی قربانی کی عظمت اور مقام میں فرق پڑ جاتا ہے کہ کون قربانی کر رہا ہے؟ کس طرح قربانی کر رہا ہے؟ کس مقصد کی خاطر قربانی کر رہا ہے؟ کسی زندہ وجود کی خاطر قربانی کر رہا ہے یا کسی مرے ہوئے وجود کے نام پر قربانی کر رہا ہے؟ کسی محدود عرصے تک رہنے والے وجود کی خاطر قربانی کر رہا ہے؟ یہ سارے عوامل اور اس کے علاوہ اور بھی بعض پہلو ہیں جو قربانی کے مقام کو متعین کرتے ہیں۔ یہ بتاتے ہیں کہ وہ قربانی کس حد تک عظمت کے لائق ہے؟

پھر یہ چیز بھی اثر انداز ہوتی ہے کہ جس کی خاطر قربانی دی جاتی ہے اس کا اپنا وجود کیا ہے؟ اگر وہ وجود ایک شخصی حیثیت میں موجود ہے اس کا خلق کیا ہے؟ وہ قربانی کرنے والوں کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے قدر دان ہے یا ناقدر ہے،خود غرض ہے یا بے غرض،صاحب حیثیت ہے یا بے حیثیت ہے۔قربانی کا بدلہ دینے کی اہلیت بھی رکھتا ہے یا نہیں رکھتا؟ یہ بہت سے عوامل ایسے ہیں جو قربانی کے نتائج پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس پہلو سے یہ مضمون اور بھی پھیل جاتا ہے اور وسعت اختیار کر جاتا ہے۔

ان سب امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی پر نگاہ ڈالی تو یہ سب امور اس قربانی کو عظمت دیتے ہوئے دکھائی دیئے۔ان سارے امور کا اثر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی پر پڑا۔ یہ تمام امور جس حد تک بھی کسی قربانی کو عظیم بنا سکتے تھے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو میری نظر میں عظیم بنا کر دکھایا اور ہر صاحب فہم کی نظر میں یہ تمام امور جب آپ تفصیل سے ان پر نظر ڈالیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کو حد امکان

تک وسعت دیتے ہوئے دکھائی دیں گے۔اس کے علاوہ بھی بعض پہلو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایسے ہیں کہ جن کے نتیجہ میں عقل مطمئن ہو جاتی ہے کہ ہاں یہ وہ قربانی تھی جو اس لائق تھی کہ ہمیشہ ہمیش کے لئے اس کی یاد کو زندہ رکھا جائے۔قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی میں کوئی بھی جبری پہلو نہیں تھا، خالصۃً طوعی قربانی تھی اور قربانی میں جذبہ محبت پایا جاتا تھا اور اس شدت کے ساتھ پایا جاتا تھا کہ شاذ ہی کسی قربانی کے پس منظر میں اس قسم کا جذبہ محبت پایا جاتا ہو۔ باوجود اس کے کہ آپؑ کو اختیار تھا اور ایسا اختیار ملتا چلا گیا کہ قربانی سے پیچھے ہٹ جائیں لیکن وہ آگے بڑھتے رہے اور ایک قربانی کے بعد اس کی تلخیوں میں گزرنے کے باوجود نئی قربانیوں کی تمنا کرتے رہے۔چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو اس وقت جب کہ وہ بہت چھوٹا بچہ تھا لے کر خدا کے حضور پیش کرنے کے لئے خانہ کعبہ کے ان کھنڈرات کے پاس لے کر پہنچے جو اس زمانے میں کھنڈرات کی صورت میں ہی وہاں ملتے تھے کوئی عمارت بظاہر نظر نہیں آتی تھی بلکہ وہ کھنڈرات بھی ریت میں اتنے دب چکے تھے کہ بڑی مشکل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کرید کر تلاش کر کے اس دیوار کا ایک کونہ ملا جہاں کسی زمانہ میں خدا کی عبادت کے لئے پہلا گھر بنایا گیا تھا۔ اس بے آب و گیاہ وادی میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک عظیم قربانی میں سے گزرنا پڑا تھا۔اللہ تعالیٰ اس کا ذکر ان الفاظ میں فرماتا ہے:

قَالُوا ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡيَانًا فَاَلۡقُوۡهُ فِى الۡجَحِيۡمِ ﴿۹۸﴾ فَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا
فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ﴿۹۹﴾ وَقَالَ اِنِّىۡ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ ﴿۱۰۰﴾
رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ﴿۱۰۲﴾
فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ
اَذۡبَحُكَ فَانْظُرۡ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ
سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ
لِلۡجَبِيۡنِ ۚ ﴿۱۰۴﴾ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۙ ﴿۱۰۵﴾ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۰۷﴾
وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۰۸﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۖ ﴿۱۰۹﴾ سَلٰمٌ
عَلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۱۱۰﴾ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾ (الصّٰفّٰت:۹۹۔۱۱۱)

ابراہیم علیہ السلام جب اپنے بیٹے کو خدا کے حضور قربانی کے لئے پیش کرنے کے لئے خانہ کعبہ کے مٹے ہوئے آثار کے پاس پہنچے تو اس سے پہلے آپؑ ایک انتہائی خوفناک ابتلا سے گزر کر آئے تھے۔ خدا کی توحید کا علم بلند کرنے کے نتیجہ میں آپؑ کے متعلق قوم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس کے لئے ایک چتا بناؤ اور اس جلتی ہوئی آگ میں اس کو جھونک دو۔ اس کے باوجود ابراہیمؑ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور وہ اس چتا میں جل جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ محض اللہ کی تقدیر تھی کہ اس نے اس آگ میں ابراہیمؑ کو جلنے سے بچا لیا۔ اس قربانی کی تلخی دیکھنے کے باوجود، یہ جاننے کے باوجود کہ خدا کی توحید کے گیت گانے کی یہ سزا ملا کرتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقصد سے پیچھے نہیں ہٹے بلکہ یہ اعلان کیا کہ اِنِّىۡ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ میں تو اور بھی زیادہ اپنے رب کے قریب ہو گیا ہوں اور بھی زیادہ میری توجہ اپنے رب کی طرف مبذول ہو چکی ہے۔ میں اس کی طرف سفر اختیار کر رہا ہوں۔ یہ سفر ہمیشہ جاری رہے گا اور خدا میرا رب میری مدد فرمائے گا کہ میں کیسے اس کے قریب تر پہنچتا ہوں؟

اس قربانی کے باوجود، اس تلخی کے باوجود ابراہیم کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ اے خدا! کاش مجھے ایسی ہی اولاد بھی نصیب ہو جو میری ہی طرح قربانی کرنے والی ہو۔ چنانچہ ہم نے اسے

ایک حلیم بیٹے کی خوشخبری عطا فرمائی اور اس تمام عرصے میں جب تک وہ بیٹا جوان نہیں ہوا ابراہیمؑ کے دل میں یہ تمنا پلتی رہی کہ کاش میری یہ دعا مقبول ہوگئی ہو اور خدا مجھے اس بیٹے کی قربانی پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پس ایک پہلو سے ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو دیکھیں تو نہ صرف یہ کہ وہ قربانی کی تلخیوں سے خوب آگاہ ہو چکے تھے اور پھر بھی مزید قربانی کی تمنا کی بلکہ جن تلخیوں سے خود گزرے تھے اپنی اولاد کو بھی انہی تلخیوں سے گزارنے کا عہد کیا اور دعا مانگتے رہے کہ اے خدا! مجھے توفیق عطا فرما کہ میری اولاد بھی اس قسم کی قربانیاں تیرے حضور پیش کرے اور پھر جب تک وہ اولاد اس عمر کو نہیں پہنچ گئی کہ خود اپنے بارہ میں فیصلہ کر سکے، اپنی خواہش کو اس پر ٹھونسا نہیں یعنی قربانی کے طوعی ہونے کی جو عظمت ہے اسے باقی رکھا، اسے زندہ رکھا، اس کی حفاظت کی۔ یہ جانتے تھے کہ قربانی میں جب جبر کا دخل ہوا قربانی کی اہمیت ختم ہو جائے گی، اس کا مقام گر جائے گا اس لئے اپنے بیٹے پر بھی کسی قربانی کو ٹھونسا نہیں۔ جب وہ اس عمر کو پہنچا کہ فیصلہ کر سکے تو پھر اس کے سامنے یہ بات رکھی کہ جب میں نے دعائیں کی تھیں اور جب خدا نے مجھے وعدہ دیا تھا کہ تم پیدا ہو گے انہی دنوں میں مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ میری یہ التجائیں قبول ہوگئی ہیں۔

اب یہاں جو قربانی کے مضمون میں ایک نئی وسعت پیدا ہوئی ہے وہ بہت ہی دلچسپ اور قابل غور ہے۔ عام طور پر لوگ بیٹا مانگتے ہیں تا کہ نسل جاری رہے بلکہ بڑے بڑے بزرگ اور انبیاء بھی بیٹا مانگتے ہیں تا کہ آئندہ نسلیں جاری ہوں، شریکوں کے طعنوں سے بچ سکیں اور خاندان کی عظمت کو باقی رکھنے کا ایک سامان مہیا ہو۔ ایسی دعائیں بھی قرآن کریم میں ملتی ہیں لیکن ابراہیمؑ کی قربانی کی عظمت کو دیکھیں کہ بیٹا اس نیت سے مانگا کہ اسے خدا کی راہ میں قربان کر دیں اور قطعاً اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ ابراہیم کی نسل اس کے ساتھ کاٹی جائے گی اور جب خدا نے رؤیا میں دکھایا کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہو تو جانتے تھے کہ خدا کے دستور کے خلاف ہے کہ باپ بیٹے کو ذبح کرے لیکن قربانی کی تمنا اتنی شدید تھی کہ اس کی تاویل نہیں بلکہ ظاہراً اور لفظاً بات کو پورا کرنے پر آمادہ ہوگئے۔

لیکن چونکہ آپ کو خدا تعالیٰ نے ایک عظیم فراست اور عرفان عطا فرمایا تھا اس لئے یہ جانتے ہوئے کہ قربانی کی عظمت تو تبھی ہوتی ہے جب جبر کا دخل نہ ہو، یہ جانتے ہوئے ایک باپ کو بھی یہ حق

نہیں ہے کہ جب یہ بیٹا بلوغت کے قریب پہنچے گا اس وقت میں اسے یہ پیغام دوں گا تا کہ میری قربانی بھی عظیم رہے اور بیٹے کی قربانی بھی عظیم ہو۔ اگر باپ بیٹے کو اس کی مرضی کے خلاف ذبح کر دیتا تو بیٹے کی قربانی ضائع جاتی اس لئے بیٹے کو بھی اس کی قربانی کی عظمت سے محروم نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ اس وقت جب کہ وہ دوڑنے پھرنے کی عمر کو پہنچا۔ قرآن کریم یہ نہیں فرماتا کہ بالغ ہو گیا فرمایا فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ ۔ جب اس عمر کو پہنچا تو اس کے ساتھ دوڑتا پھرتا یعنی ہوش تو آ چکی تھی اور جس کو ہم کہتے ہیں کودکی کا زمانہ اس زمانے تک وہ آ گیا تھا لیکن بلوغت کو نہیں پہنچا ہے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مزید انتظار نہ ہوا۔ یہ سمجھتے ہوئے اب یہ ہوشیار ہے، بالغ ہے، اپنے ثواب وخطا کو سمجھتا ہے اس وقت اس سے سوال کیا اور اس کو بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اور کس شدت اور کس جذبے سے آپؑ نے دعائیں کی تھیں اس اولاد کے لئے لیکن خواب کی بنا پر اسے قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس عمر کا بچہ جو زندگی سے بہت پیار رکھتا ہے اور چھری سے ذبح ہونے کا تصور اس کے لئے سب سے زیادہ بھیانک ہوتا ہے اس بچے نے یہ جواب دیا ہے افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اے میرے باپ! جو تجھے حکم دیا گیا ہے ویسا ہی کر۔ اس جواب میں ایک اور لطافت پائی جاتی ہے۔ حضرت اسماعیلؑ نے یہ نہیں فرمایا ہاں میں تیار ہوں، آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ میں بھی بڑا قربانی کرنے والا ہوں بلکہ باپ کے جذبات پر نظر رکھی اور فرمایا کہ مجھے پتہ ہے آپ کی نیت کیا ہے؟ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ تو اپنے دل کی تمنا پوری کر اور خدا کے حکم کو جس طرح تو پسند کرتا ہے ظاہر میں پورا کر دے۔ یہ طرز تخاطب اپنے اندر بھی ایک عظیم انکسار کا پہلو رکھتا ہے، ایک خاص عجز کا اظہار رکھتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ نے خود ذبح ہونا تھا لیکن اپنی قربانی کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو اہمیت دیتے ہیں اور اسے نمایاں کر کے دکھاتے ہیں اور اپنے متعلق صرف یہ عرض کرتے ہیں سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ کہ تو دیکھے گا کہ میں انشاء اللہ بہت صبر کرنے والا ہوں۔ کُل دنیا میں اس قسم کی قربانی کی مثال کہیں نظر نہیں آئے گی۔ آپ نظر دوڑا کے دیکھیں، شمال سے جنوب، جنوب سے شمال، مشرق سے مغرب، مغرب سے مشرق کہیں آپ کو ایسی قربانی دکھائی نہیں دے گی جو طوعی ہونے کے لحاظ سے ایسی پاکیزہ ہو، اپنے

اندر ایسی عظمت رکھتی ہو اور بلحاظ زمانہ ممتد ہو، جس میں باپ کی خصلتیں بیٹے میں منتقل ہوئی ہوں اور صرف طوعی ہی نہیں بلکہ تمنا کر کے وہ قربانی مانگی گئی ہو۔

قربانی کے جتنے پہلو بھی قربانی کو عظیم بنا سکتے ہیں وہ سارے پہلو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی میں اپنی انتہائی شان کے ساتھ آپ کو دکھائی دیں گے اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ مضمون اور بھی زیادہ لمبا اور وسیع ہو جاتا ہے۔ جب ہم ان آیات کی طرف نگاہ کرتے ہیں جن کی میں نے خطبہ کے آغاز میں تلاوت کی تھی، یہ دونوں باپ بیٹا خدا کے حضور ایک ایسا عجز رکھتے تھے کہ جب وہ خانہ کعبہ کی دیواریں کھڑی کر رہے تھے تو ساتھ ساتھ یہ دعا کرتے چلے جاتے تھے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے اللہ! ہماری طرف سے اس کو قبول فرمالینا۔ قربانی کے ساتھ جو قبولیت کا مضمون ہے یہ لازماً تقاضہ کرتا ہے کہ مقابل پر کوئی ذی شعور ہستی ہو جس کی خاطر قربانی دی جارہی ہو۔ ایک ہو یا ایک سے زائد ہوں مگر باشعور ہونا ضروری ہے ورنہ اصول تو جن کی خاطر قربانی دی جاتی ہے قربانی کو قبول کرنے یا رد کرنے کے اہل ہی نہیں ہوا کرتے۔ عمومی مقاصد کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ اے مقاصد! ہماری قربانی کو قبول کر لے اور جب قربانی کرنے والا عملاً قربانی دے رہا ہے تو یہ کہنے میں کیا حکمت ہے کہ ''قبول کر لے''؟ اس سے پتہ چلتا ہے مذہبی اصطلاحوں میں جب قربانی کی بات ہوتی ہے تو اس کے ساتھ محبت کا ہونا لازمی ہے اور لازماً قربانی میں تحفے کا مضمون داخل ہو جاتا ہے۔ تحفہ ایک ایسی چیز ہے جسے کوئی شخص قبول کرے یا رد کرے اور تحفہ ہی ایک ایسی چیز ہے جسے پیش کرنے والا بظاہر ایک چیز سے جدا ہو رہا ہوتا ہے لیکن ایسا کرنے میں وہ اپنے آپ کو عظمت نہیں دیتا۔ اپنے اس فیصلے کو عظمت نہیں دیتا کہ میں کس کی خاطر اپنی کسی چیز سے محروم ہو رہا ہوں بلکہ وہ اس کے وجود کو عظمت دے رہا ہوتا ہے جن کی خدمت میں وہ تحفہ پیش کرتا ہے اور عزت افزائی اس بات میں پاتا ہے کہ وہ قبول ہو جائے گا۔ اس لئے مذہبی اصطلاح میں قربانی کے ساتھ تحفے کا مضمون اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ قربانی ایک شخص کر رہا ہے جو کچھ اس کے پاس ہے اس نے پیش کیا ہے اور جس کے حضور پیش کیا ہے اس سے کہتا یہ ہے کہ قبول فرماؤ گے تو مجھے مزا آئے گا ورنہ میری ساری قربانی رائیگاں جائے گی۔

یہ عشق کا مضمون ہے جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا کہ وہ دونوں باپ بیٹا قربانی

کے مفہوم کو سمجھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں اپنے خدا کی خاطر کر رہے ہیں، ہمارا اس پر کوئی احسان نہیں، وہ محتاج نہیں ہے ان قربانیوں کا، اگر وہ قبول کرلے تو اس کا ہم پر احسان ہوگا کہ اس نے ہماری قربانیوں کو قبول فرمالیا۔

اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کے مضمون کو محض اپنے بیٹے تک پہنچا کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ اتنی شدید تمنا کی اللہ کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے کی کہ دعا یہ کی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے خدا! ہم دونوں باپ بیٹا اس بات پر بھی راضی نہیں ہوں گے کہ ہم دونوں تیری راہ میں قربانیاں دیتے ہوئے ختم ہو جائیں، ہماری تو یہ تمنا ہے کہ ہماری اولاد بھی اسی راہ پر قربانیاں دیتے ہوئے ایک دوسرے کے بعد ختم ہوتی چلی جائے اور ہماری نسل میں ایک امت پیدا ہو، ایک ایسی عظیم قوم پیدا ہو جو ساری کی ساری تیرے حضور قربانیاں کرتی چلی جائے پھر عرض کیا وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری اولاد یا ہماری نسل کو جب بھی قربانیاں دینی پڑیں تو وہ خوشی کے ساتھ قربانیاں دیں بلکہ ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ ضرور قربانیاں دینے کے مواقع مہیا فرما۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا ہمیں نئی نئی قربانیوں کی راہیں دکھا۔ ہمیں وہ طریق بتاتا چلا جا جس طریق پر چل کر ہم اپنی تمناؤں کو تیری رضا کی خاطر قربان کرتے چلے جائیں۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اور ہماری طرف بار بار متوجہ ہونا، ہم جو کچھ طلب کرتے ہیں وہ تیری توجہ ہے، اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ہم جانتے ہیں کہ تو بار بار بڑی رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے والا ہے اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

ہر قربانی کے بعد ایک عید کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قربانی کے مضمون کو انتہا تک پہنچا دیا تو ان کی عید کا تصور بھی بہت ہی عظیم الشان تصور ہوگا۔ ان قربانیوں کی جو جزا اپنے رب سے مانگی ہوگی وہ بھی بہت عظیم الشان ہوگی۔ چنانچہ جو جزا مانگتے ہیں وہ یہ ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۱۳۰﴾ (البقرۃ: ۱۳۰)

اے خدا! میں ان ساری قربانیوں کی جو میں نے دیں یا میرے بیٹے نے دیں یا میری اولاد در اولاد ہمیشہ دیتی چلی جائے گی ان سب قربانیوں کی ایک ہی جزا چاہتا ہوں کہ ہم ہی میں سے وہ عظیم الشان رسول پیدا فرما دے جس کا وعدہ تو نبیوں کو دیتا چلا آیا ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کا انعام ہمیں عطا فرما۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی عید ہماری قربانیوں کی عید ہوگی۔ نہ اتنی بڑی قربانیوں کا، اتنی وسیع قربانیوں کا، اتنی گہری قربانیوں کا کوئی تصور کہیں آپ کو دکھائی دے گا نہ اتنا عظیم قربانیوں کا اتنا عظیم الشان بدلہ مانگا گیا ہے، نہ ایسی عظیم الشان عید کا کہیں مطالبہ کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بھی ایک عید مانگی تھی عِيدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا (المائدہ: ۱۱۵) وہ کیا تھی؟ ایک مائدہ ہی تو تھا، دنیا کی نعمتیں تھیں جو انہوں نے مانگیں اور وہ نعمتیں ان کو مل رہی ہیں اور اس طرح مل رہی ہیں کہ کبھی دنیا کی کسی قوم کو وہ دنیاوی نعمتیں نہیں ملیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو جزا مانگی، جو عید طلب کی وہ ایسی حیرت انگیز ہے کہ انسان کا تصور عرش کے انتہائی کنارے پر جہاں پہنچ سکتا ہے وہاں وہ تصور پہنچا اور وہ وجود مانگا جو اپنی ترقی اور اپنے ارتقاء میں تخلیق کے آخری کنارے تک واقعۃً پہنچ گیا۔ اس وجود نے ان حدود کو چھوا جس کے بعد خدا کی حدیں شروع ہو جاتی ہیں اور مخلوق کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ تو جس طرح قربانیاں لامتناہی تھیں اسی طرح وہ عید بھی لامتناہی تھی جو آپ نے اپنے رب سے مانگی اور بعینہٖ انہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی قبولیت کی بشارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ وہی وجود ہیں جن کی طلب ابراہیم نے اپنی قربانیوں کے نتیجہ میں کی تھی۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ﴿۳﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۴﴾ (الجمعۃ: ۳-۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر جو آخر پر مہر لگی ہوئی ہے۔ جس طرح ہر قیمتی مشروب کو نہایت اعلیٰ مہر سے بند کیا جاتا ہے اس طرح دعاؤں کے آخر پر صفات باری تعالیٰ کی مہریں ہوتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے آخر پر جو مہر ہے وہ ہے اے خدا! تو بہت ہی عزیز اور حکیم

ہے اور بحیثیت عزیز اور حکیم ہونے کے تو یہ ساری دعائیں قبول فرمالے۔

یہ بڑا وسیع مضمون ہے اس کا کیا تعلق ہے عزیز اور حکیم ہونے سے؟ سر دست میں اس کو چھوڑتا ہوں لیکن خدا تعالیٰ نے جہاں حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں اور دعاؤں کی قبولیت کی بشارت دی وہاں اس مہر کو اٹھا کر آگے کر دیا ہے اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے جو مانگا اس سے زیادہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ نہیں فرمایا ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ. بلکہ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ کا بند یہاں سے اٹھا کر آگے بڑھا دیا اور جو مانگا تھا اس سے زیادہ دینے کا وعدہ کیا۔ فرمایا کہ وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ اے ابراہیم! تو نے تو تھوڑا مانگ کر دعا بند کر دی تھی یعنی مانگا تو بہت تھا لیکن زمانے کے لحاظ سے جلد ہی وہ دعا بند کر دی گئی تھی اور الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ کہہ کر اس دعا کے مضمون کو بظاہر حضرت ابراہیمؑ نے ختم کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ جس طرح تو یہ چاہتا ہے کہ تیرا فیض تیرے بعد کے آنے والوں کو پہنچے کیسے ممکن ہے کہ تیری دعاؤں کا پھل محمد مصطفیٰ ﷺ اپنا فیض اپنے دور کے انسانوں کو پہنچانے کے بعد اس فیض کو ختم کر دیں۔ وہ رسول جو میں عطا کروں گا ایک ایسا رسول ہے کہ جس کا فیض آخری دور تک جاری رہے گا۔ وہ ان لوگوں میں بھی ظاہر ہوگا جن لوگوں میں ظاہر ہونے کی تو نے تمنا کی لیکن وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ ان کے علاوہ بعد میں آنے والے لوگ بھی ہیں جو اس زمانے کے بہت بعد پیدا ہوں گے ان میں بھی میں اس رسول کو مبعوث کروں گا۔ پھر فرمایا ہاں اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ اللہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تیری تمنا کے مطابق وہ عظیم الشان رسول عطا فرمادے اور اس کے زمانہ فیض کو بھی لامحدود کر دے اور آخرین تک اسے پہنچا دے۔

پس یہ عید جو ہم منا رہے ہیں اس عید کے پس منظر میں جو قربانیاں ہیں وہ بھی لامحدود ہیں اور خود یہ عید بھی لامحدود ہے اور یہ عید اپنی ذات میں بھی قربانیوں کا مضمون رکھتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو قربانیاں پیش کیں یا آپؑ کی اولاد نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانے تک جو قربانیاں پیش کیں ان سب قربانیوں کو اکٹھا کر لیں اور ان قربانیوں پر نظر ڈال کر ان سے ان کا موازنہ کریں جو آنحضرت ﷺ نے خود خدا کے حضور پیش کیں یا آپؐ کے ماننے والوں نے آپ کی

زندگی میں پیش کیں، بعد کے زمانے کو سر دست چھوڑ دیجئے۔ تو آپ حیران ہوں گے کہ وہ ساری قربانیاں جو ہزاروں سال تک پھیلی پڑی تھیں ان قربانیوں کی ان قربانیوں کے ساتھ کوئی بھی نسبت نہیں رہتی جو آنحضرت ﷺ کے تئیس سالہ دور میں آپؐ نے اور آپؐ کے غلاموں نے اپنے رب کے حضور پیش کیں۔ تو یہ کیسی عید تھی جو قربانیوں کے جواب میں مانگی گئی۔ جس نے خود قربانیوں کے مضمون کو انتہا تک پہنچایا۔

آنحضرت ﷺ کا تو ہر لمحہ خدا کے حضور قربان ہو رہا تھا، آپؐ کا سونا، آپؐ کا جاگنا، آپؐ کا اٹھنا، آپؐ کا بیٹھنا، آپؐ کی زندگیاں، آپؐ کی موتیں جو خدا کی راہ میں برداشت کرتے تھے ایک ایک پہلو اس کا، ایک ایک ذرہ خدا کے حضور فدا تھا اور ہر قربانی جو آپؐ نے خدا کی خاطر دی وہ قربانی میں معراج تک پہنچی ہوئی تھی یعنی اس سے آگے بنی نوع انسان کے لئے ممکن نہیں تھا وہ قربانی پیش کر سکیں۔ تخلیق کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

پس ہماری عید بھی وہی عید ہے جو قربانیوں کے نتیجہ میں مزید قربانیوں کی صورت میں عطا ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب آپ قربانی کے مفہوم کو سمجھیں تو اس سے بہتر عید ہو نہیں سکتی۔ قربانی کے مفہوم میں تو محبت پائی جاتی ہے اور محبت کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ تمنا یہ ہوتی ہے جو کچھ میرا ہے محبوب کے لئے قربان ہو بلکہ اگر محبوب انکار کرے تو وہ حقیقی قربانی ہوتی ہے کیونکہ تکلیف تو اس وقت پہنچتی ہے جب محبوب قربانی لینے سے انکار کر دے۔ اگر وہ خوشی کے ساتھ قربانی لے لے اور پیار اور محبت سے اسے قبول کر لے اور پھر اس خواہش کو بھی پورا کرتا چلا جائے کہ ہمیں قربانی کی اور راہیں دکھا۔ تو قربانی کرنے والے کی یہی عید ہوا کرتی ہے۔ محبت کے نتیجہ میں قربان ہونے والے انسان کی زندگی ایک جنت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کو اس کا محبوب موقع دے کہ اس کے پیار کے اظہار کے طور پر وہ اس کے لئے ایثار کے مظاہرے کرتا چلا جائے اور ہر ایثار کے نتیجہ میں بڑے پیار اور محبت کے ساتھ اس پر نظر ڈالے اور اسے قبولیت کی اطلاع دے۔

پس حقیقی عید مقبول قربانیوں ہی کا نام ہے۔ اگر محبوب جس کی خاطر وہ قربانیاں دی جاتی ہیں انہیں قبول کر لے تو وہ قربانیاں خود اپنی جزا بن جاتی ہیں۔ پس آنحضرت ﷺ کا دور ایک پہلو سے عید کا دور ہے اور ایک پہلو سے قربانیوں کا دور ہے یعنی عید پر ایک اور عید منائی گئی عید کے مضمون کو

بھی حد انتہا تک پہنچا دیا گیا۔ پس تمام دنیا کے احمدیوں کو مبارک ہو کہ آپ انہی دعاؤں کا ثمرہ ہیں جو بطور عید حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے مانگی تھیں، جو ثمرہ حضرت ابراہیمؑ نے بطور عید مانگا اس ثمرہ کا پھر ثمرہ ہیں یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ سے خدا تعالیٰ نے جو آخرین میں ایک قربانیوں کی عید مہیا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا آپ ہیں وہ آخرین جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ اے محمد مصطفیٰ ﷺ! تیری قربانیوں کے عظیم دور کو میں آخرین تک منتج کرتا ہوں۔ بڑے ہی مبارک ہیں وہ جنہیں خدا تعالیٰ نے اس دور میں آنحضرت ﷺ کی قربانی کے دور کو ممتد کرنے کے لئے چن لیا اور ان قربانیوں کا مظہر بنانے کے لئے چن لیا۔

پس وہ احمدی جو خدا کی خاطر اسیری کے دن کاٹ رہے ہیں ان کو بھی یہ عظیم الشان عید مبارک ہو اور ان کو بھی جو بظاہر آزاد ہیں مگر تمام انسانی حقوق سے محروم کر دیئے گئے ہیں ان کو بھی یہ عظیم الشان عید مبارک ہو۔ آج آپ کے سوا دنیا کے پردے پر کوئی نہیں جو یہ کہہ سکے ہم وہ آخرین ہیں جن کی عید کا، جن کی قربانیوں کا اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا۔ پس اس سے بڑی عید سوچی نہیں جاسکتی۔ عرف عام میں ان قربانیوں کی عید کو بڑی عید کہتے ہیں مگر ان لوگوں کی بڑی عید تو کچھ جانور ذبح کر کے ان کے گوشت کھا جانے کا نام ہے، وہ ان لذتوں سے واقف ہی نہیں، ان کا تصور بھی ان لذتوں تک نہیں پہنچتا جو کسی جانور کو ذبح کرنے کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اپنی تمناؤں کو ذبح کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ وہ لذت ایک اور مقام رکھتی ہے جو کسی محبوب کی خاطر اپنا سب کچھ کھو دینے میں حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے اور اتنا احسان ہے کہ اس کا شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم ناکارہ اور ذلیل اور دنیا کی نظر میں ذلیل اور رسوا ہیں، اس نے اپنے پیار اور محبت کی نظر ڈالنے کے لئے چن لیا اور ہمیں ابراہیمی قربانیاں زندہ رکھنے کے لئے آج دنیا کے سامنے ایک نمونے کے طور پر پیش کیا۔ خدا کرے یہ نمونہ جو پیش کرنے کے لئے ہمیں چنا گیا ہے اپنے تمام نقوش میں، اپنے تمام حسن میں، اپنی تمام رونق میں، اپنی تمام خوبصورتی میں، اپنے ظاہر میں بھی اور اپنے باطن میں بھی اور اپنی وسعتوں میں بھی ہر پہلو سے اپنے اصل کے قریب تر رہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کے حسن کے قریب قریب اس کے دامن میں چلے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جو قربانیاں قبول کرنے والوں میں سب سے زیادہ گہرائی کی

نظر کے ساتھ سب سے زیادہ وسعت کی نظر ڈالتے ہوئے سب سے زیادہ قبولیت کی نظر ڈالتے ہوئے اپنی خاطر قربانیاں پیش کرنے والوں کی قربانیوں کو قبول کرتا ہے اس کی جزا محدود نہیں ہوتی۔ وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں، چند دن جزا دے کر پھر وہ خود ہی دنیا سے جاتے رہتے ہیں اور نہ وہ قوموں کی طرح ہے کہ جن کی جزا چند صدیوں تک چلتی ہے یا چند علاقوں میں محدود رہتی ہے۔ وہ خدا تو لامحدود ہے، اس پر کوئی فنا نہیں اس لئے اس کی خاطر جو قربانیاں کرتا ہے اس کی قربانیوں کی جزا بھی لافانی ہو جاتی ہے اور لامحدود ہو جاتی ہے اس لئے میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ آپ کی قربانیوں کی جزا آپ کی ذات تک محدود نہیں رہے گی، اس زمانے تک محدود نہیں رہے گی، آپ کی نسلیں مدت تک بلکہ یہ کہنا خلاف عقل نہیں ہوگا تا قیامت آپ کی نسلیں ان قربانیوں کا پھل کھاتی رہیں گی اور ان کا پھل ان کی جزا وسعت پذیر ہوتی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا احسان ہے۔ چند دن کی تکلیفیں ماضی میں رہ جانے والی ہیں، آج نہیں تو کل ایک خواب کی طرح آپ کو دکھائی دیں گی مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ آنے والی نسلیں حسرت کے ساتھ، گریہ وزاری کے ساتھ، روتے ہوئے یہ تمنا کریں گی کہ کاش یہ خواب ان لوگوں نے نہ دیکھی ہوتی ہم نے دیکھی ہوتی۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

خطبہ ثانیہ ختم ہونے کے بعد دعا ہوگی اور دعا کے بعد آج مصافحہ نہیں ہوگا۔ میں نے پہلے بھی شاید پیغام بھیجا تھا پتہ نہیں اعلان ہوا ہے یا نہیں۔ یہ عید جو قربانیوں کی عید ہے اس میں آنحضرت ﷺ کی سنت ہے کہ عید کے بعد جلد واپس گھروں میں لوٹتے تا کہ بعضوں نے قربانی کا روزہ رکھا ہوتا ہے وہ اپنے قربانی کے گوشت سے روزہ کھولتے ہیں۔ ویسے بھی اس سنت کو عمومیت مل گئی ہے۔ اب جنہوں نے روزہ نہ بھی رکھا ہو ان کو بھی جلدی گھر واپس جانا چاہئے، قربانی کا یا دوسرا گوشت جس طرح بھی مہیا ہے ان کو عید منانی چاہئے اس لئے دعا کے معاً بعد میں آپ سے رخصت چاہوں گا۔ آپ سب کو بے انتہا عید مبارک ہو۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے دعا کروائی۔